اردو سفر ناموں میں مغربی تہذیب و ثقافت کی عکاسی

(۱۸۴۷ء۔۱۹۴۷ء)

فرحت نثار، ریسرچ سکالر یونیورسٹی آف ایجوکیشن لاہور
ڈاکٹر محمد سلمان بھٹی ، صدر شعبۂ اردو یونیورسٹی آف ایجوکیشن لاہور

Abstract

Travelogue is as old as human life. This article discusses the tradition of Urdu travelogues as well as the western culture from the first Urdu travelogue 'Ajaaibaat-e-Farang' i.e 1847 till the partition of Indo Pak i.e 1947. Article also discusses the eastern mindset which has been grown under the postcolonialism era when travelogue writing was its initial stage. There was a huge breach between East and West. The age of Sir Syed and the later era before partition of Indo Pak, saw a development in the style, subject and vocabulary of travel literature. Article depicts all mentioned matters in the light of earlier Urdu travelogue .

Key Words: Travelogue, Western Culture, Mindset, Inferiority complex, Impressed, Style, Subject, Vocabulary, Evolution, Touching new heights.

تلخیص: انسانی زندگی اور سفر نامے کی قدامت ایک ہی جیسی ہے۔ یہ مضمون اردو سفر نامے کی روایت کے ساتھ ساتھ، مغربی تہذیب و ثقافت کی عکاسی جو کہ ہمیں اردو کے پہلے سفر نامے ''عجائباتِ فرنگ''(۱۸۴۷ء) سے لے کر قیام پاکستان سے پہلے یعنی(۱۹۴۷ء)تک نظر آتی ہے اس کا احاطہ کرتا ہے۔ اس مضمون میں وہ مشرقی ذہنیت جو نو آبادیاتی نظام میں پروان چڑھی اس پر بھی بحث کی گئی ہے۔ جب سفر نامہ کی صنف اپنے ابتدائی مرحلہ میں تھی، مشرق و مغرب میں بُعد بہت واضح تھا۔ سر سید کے زمانے سے

لے کر قیامِ پاکستان تک کے دور میں سفری ادب کے اسلوب، مواد اور ذخیرۂ الفاظ میں ارتقاء واضح نظر آتا ہے، اس مضمون میں ابتدائی اردو سفر ناموں میں درج بالا نکات کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔

کلیدی الفاظ: سفر نامہ، مغربی تہذیب، ذہنیت، احساسِ کمتری، مرعوبیت، اسلوب، مواد، ذخیرۂ الفاظ، ارتقاء، نئی بلندیوں کو چھونا۔

انگریزی زبان میں تہذیب کے لیے ''کلچر'' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے کلچر لاطینی زبان کا لفظ ہے اس کے لغوی معنی ہیں ''کھیتی باڑی کرنا، شہد کی مکھیوں، ریشم کے کیڑوں، بیکٹیریا کی پرورش و افزائش کرنا۔ جسمانی و ذہنی بہتری و ترقی''۔ اردو، فارسی اور عربی میں کلچر کے لیے تہذیب کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تہذیب عربی زبان کا لفظ ہے اس کے لغوی معنی ہیں کسی درخت یا پودے کو تراشنا، کاٹنا چھاٹنا تاکہ اس میں نئی کونپلیں اور شاخیں نکلیں۔ فارسی زبان میں بھی یہ لفظ ان ہی مطالب میں مستعمل ہے۔ تہذیب معاشرے کے زندگی گزارنے کے طریقوں اور فکر و احساس کا مظہر ہوتی ہے ڈاکٹر وزیر آغا ہمارے عہد کی ایک اہم اور قد آور ادبی شخصیت ہیں۔ تہذیب اور کلچر کے موضوع پر وہ تخصّص رکھتے ہیں۔ اپنی کتاب ''کلچر کے خدوخال'' میں تہذیب کیا ہے؟ کا جواب اس طرح سے دیتے ہیں:

> ''کلچر زمین سے وابستہ ہونے کے باوجود ذہن کی برانگیختگی اور شخصیت کے بے محابا اظہار کی ایک صورت ہے، یہی وجہ ہے کہ کلچر ایک تخلیقی اٹھان ہے اور اس کا وجود خلّاق شخصیتوں کے مساعی کا مرہون منت ہے۔ مگر جب یہ تخلیقی اٹھان، معاشرے کے رگ وپے میں سرایت کر چکنے کے بعد قدرتی طور پر رقیق ہو جاتی ہے تو ''تہذیب'' کہلاتی ہے۔''[۱]

کلچر مختلف عناصر سے تشکیل پاتا ہے۔ مثلاً ہوا، پانی، موسم، جغرافیائی حالات اور وہاں کے رہنے والوں کا مزاج وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ ایک جگہ کا کلچر اور تہذیب دوسری جگہ کے کلچر اور تہذیب سے مختلف ہوتی ہے مثلاً مسلم ممالک میں تہذیبی عناصر میں یقیناً اختلاف ہو سکتا ہے لیکن ایک نقطہ اشتراک واضح طور پر نظر آتا ہے اور وہ ہے مذہب۔ تہذیب مختلف عناصر کا مجموعہ ہوتی ہے مثلاً زبان، ادب، لباس، رسوم و روایات وغیرہ وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ مشرقی اور مغربی تہذیبوں میں واضح فرق موجود ہے۔ مشرقی تہذیب، اسلامی تہذیب کی آئینہ دار ہے جس کی بنیاد مذہب اسلام ہے اور مذہب کے زیر سایہ تہذیب کے دیگر عناصر

رہن سہن، لوگوں کا مزاج، عقائد، رسوم و روایات پنپتے ہیں۔ جہاں تک مغربی تہذیب کا تعلق ہے دنیا میں موجود ہر بڑی تہذیب میں کچھ منفرد اور نمایاں اوصاف ہوتے ہیں جس کے باعث اسے دیگر تہذیبوں سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے ہر بڑی تہذیب میں زندگی گزارنے کے کچھ اخلاقی، معاشرتی اور مادی اصول و ضوابط متعین ہوتے ہیں ہر بڑی تہذیب اپنے عقائد کے نظام، معاشرت کے اصولوں اور علوم و فنون وغیرہ سے پہچانی جاتی ہے اور بلاشبہ مغربی تہذیب و تمدن کا شمار دنیا کی بڑی تہذیبوں میں کیا جاتا ہے۔

سفر نامے ادب کی وہ بیانیہ صنف ہیں جن میں سفر نامہ نگار اپنے تجربات و مشاہدات کو قارئین ادب تک پہنچاتا ہے۔ سفر نامہ لکھنے کے لیے سفر لازمی شرط ہے تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک شخص ایک خاص جگہ، ماحول اور تہذیب سے وابستہ ہو اور جب وہ دوسری جگہ پہنچے تو اس مقام کے ماحول اور تہذیب و معاشرت کے محاسن و معائب کا دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اپنی تہذیب و معاشرت سے موازنہ نہ کرے۔ یہ ایک ایسا فطری عمل ہے جس سے باز رہنا ناممکن نہیں تو از حد مشکل ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دنیا میں کہیں بھی لکھے گئے کسی بھی سفر نامے کو نکال کر دیکھ لیجئے اس وقت اور اس جگہ کی تہذیب و معاشرت کی عکاسی کے بغیر ان میں جان باقی نہیں رہتی۔

یہ بات درست ہے کہ قدیم زمانوں میں قارئین کی دلچسپی حقائق، اعداد و شمار اور تاریخی و جغرافیائی معلومات میں زیادہ تھی۔ اس لیے اس وقت کے سفر ناموں میں ہمیں تہذیبی موازنہ بھرپور انداز میں نظر نہیں آتا جب کہ جدید سفر نامے نہ صرف تہذیب و معاشرت کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں بلکہ اس سے ایک قدم آگے جا کر تہذیبی تصادم اور تہذیبی کشمکش کو بھی کماحقہ اجاگر کرتے ہیں۔ دنیا کا پہلا سفر نامہ (میگھنتیسز) کا ہو یا پہلے مسلمان سیاح حکیم ناصر خسرو کا ''زادالمسافرین''، پہلے قابل ذکر یورپی سیاح مارکو پولو کا سفر نامہ ہو یا اردو کا پہلا سفر نامہ ''عجائبات فرنگ'' ابتداء سے دور حال تک تہذیب و معاشرت کی عکاسی سفر ناموں کا لازمی جزو رہی ہے۔ یہ وہ عنصر ہے جس میں قارئین کی دلچسپی روز اول سے قائم ہے۔ درحقیقت دنیا کے تمام سفر نامے خواہ وہ کسی بھی تکنیک سے لکھے جائیں۔ سنجیدگی غالب ہو یا مزاح... تہذیب و معاشرت کی عکاسی کے بغیر مکمل نہیں ہوتے۔ اس حوالے سے قیامِ پاکستان سے پیشتر ہندوستانی اردو سفر ناموں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان پر مغرب کے تمدنی اور تہذیبی اثرات یوں تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ ہی سے شروع ہو گئے تھے لیکن ان میں شدت ہندوستان پر انگریزی تسلط کے بعد پیدا ہوئی

اور غدر کے بعد سے قلیل عرصہ میں مغربی تہذیب زندگی کے ہر شعبہ میں داخل ہو گئی۔ برصغیر پاک و ہند کی معاشرت، سیاسی اور سماجی تصورات، قانونی اور معاشی آئین، زبان، ادب غرض ہر چیز پر مغربی اثرات نے گہرے نقوش چھوڑے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہاں کی تہذیب و تمدن کسی طرح مغربی تہذیب و تمدن سے کم تر تھی بلکہ بظاہر اس کے یہ اسباب معلوم ہوتے ہیں کہ جب دو قومیں یا تمدن آپس میں متصادم ہوتے ہیں تو غالب قوم کا تمدن مغلوب قوم کے تمدن پر چھا جاتا ہے اور اگر بد قسمتی سے احساس پستی بھی رونما ہو جائے تو یہ اثرات زیادہ گہرے اور نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ہر زمانہ میں اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔ لیکن تعجب اس امر کا ہے کہ مغرب کے ان سارے اثرات کو قبول کرنے کے باوجود یہاں کے لوگوں میں وہ خصوصیات پیدا نہ ہوئیں جو مغربی اقوم کے لیے سرمایہ ناز تھیں اور جو ان کی ترقی کا اصلی سبب تھیں۔ بدر شکیب اپنی کتاب ''یورپ کے تاثرات'' میں لکھتے ہیں:

> ''انیسویں صدی میں اردو میں یورپ سے متعلق جو تھوڑا بہت ادب ہے وہ بیشتر سیر و سیاحت کی تفصیل ہے۔ ان سفر ناموں میں بہت کم مصنّفین نے یورپ اور اہل یورپ کی خصوصیات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے اس میں شک نہیں کہ ان میں اہل یورپ کی معاشرت اور تمدن کی کچھ جھلکیاں نظر آتی ہیں لیکن یہ چیزیں وسیع مشاہدہ اور غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہیں۔ ایسی کتابیں محض اپنے لکھنے والوں کے خیالات، احساسات اور دلچسپیوں کی آئینہ دار ہیں۔''[۲]

ان کی یہ رائے کس حد تک درست ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس سوال کو زیر بحث لایا جائے کہ اردو سفر ناموں میں مغربی تہذیب و معاشرت کی عکاسی کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟

مختلف حوالہ کتب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی کے ربع آخر سے ہندوستانی سیاحوں نے مغرب بالخصوص انگلستان کا رخ کیا۔ ڈاکٹر تحسین فراقی نے (مقدمہ عجائبات فرنگ) اور محمد اکرم چغتائی نے (مقدمہ تاریخ یوسفی) میں بعد از تحقیق یہ دعویٰ کیا ہے کہ قباد بیگ پہلا ہندوستانی شخص تھا جس نے دیار فرنگ میں سب سے پہلا قدم رکھا۔ لیکن مشہور اطالوی مستشرق الگساندرو بوسانی (Alexandero Bausani) کی تحقیق کے مطابق یہ پہلا شخص محمد عبداللہ تھا لیکن تحقیق سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ اس صورت میں یورپ کا پہلا ہندوستانی سیاح قباد بیگ ہی کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

۱۸۴۷ء میں اردو میں سفر نامہ نگاری کا باقاعدہ طور پر آغاز ہوا اور یوسف خاں کمّل پوش اولین سفر نامہ نگار کی حیثیت سے سامنے آئے۔ اس دور کے مذہبی سفر ناموں کے پس منظر میں یوسف خاں کمّل پوش کا ''عجائبات فرنگ'' اپنی زبان، اسلوب اور مندرجات کے حوالے سے انفرادیت کا حامل ہے۔ اردو زبان میں پہلی دفعہ مغربی تہذیب و معاشرت کی عکاسی انتہائی دلچسپ انداز میں قارئین ادب تک پہنچی۔ یہی وجہ ہے کہ قریباً ڈیڑھ صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی یہ سفر نامہ پڑھتے ہوئے یہی محسوس ہوتا ہے جیسے انیسویں صدی کے مغرب کی جیتی جاگتی تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے آگئی ہو۔

اس تحقیقی مضمون میں بحوالہ سنین یعنی ۱۸۴۷ء میں لکھے گئے پہلے اردو سفر نامہ ''عجائباتِ فرنگ'' سے لے کر ۱۹۴۷ء قیام پاکستان سے قبل لکھے گئے چند اہم اردو سفر ناموں میں مغربی تہذیب و ثقافت کی عکاسی کا اجمالی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

اس ضمن میں عجائبات فرنگ / تاریخ یوسفی اردو کا پہلا سفر نامہ سر فہرست ہے یوسف خاں کمّل پوش نے ۱۸۳۷ء میں سفر یورپ اختیار کیا۔ اس سفر کے حالات و واقعات پر مبنی اس کا سفر نامہ ۱۸۴۷ء میں مطبع العلوم مدرسہ دہلی سے اردو میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں مغربی تہذیب و معاشرت کی عکاسی کے حوالے سے ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

> ''یوسف کمل پوش کی یہ کتاب ایک اہم دستاویز ہے جس میں مغربی کی زندگی کے مختلف پہلوئوں کو پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ لکھنے والا بنیادی طور پر ایک ایشیائی اور برعظیم پاک و ہند کا رہنے والا ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب بہت اہم ہو جاتی ہے۔''[۳]

یوسف خاں کمّل پوش کا یہ سفر نامہ ان کے سفر یورپ کی ایک ایسی روداد ہے جس میں کوئی مذہبی، سیاسی یا کاروباری مقاصد سے سفر کرنے والا مسافر نہیں بلکہ ایک فطری سیّاح اُبھر کر ہمارے سامنے آتا ہے وہ یورپ کی حد درجہ خوب صورتی و رعنائی کو دل میں اتارنے کے بعد اپنے مشاہدات کو حقیقی انداز میں پیش کرتا ہے۔ ایک سچے سیّاح میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں کمّل پوش کی ذات ان سب کا مجموعہ تھی۔ یوسف خاں حیدرآباد کا رہنے والا تھا۔ وہ نصیر الدین حیدر کے زمانہ میں رسالۂ خاص سلیمانی میں جمعدار بھرتی ہوا اور پھر ترقی پاکر صوبے دار کے عہدے پر فائز ہو گیا۔ بعد ازاں اس کا ذوقِ سیاحت اسے لندن و پیرس کے گلی کوچوں

میں لے گیا۔ کمل پوش صحیح معنوں میں سیاحت کے مفہوم سے آشنا تھا وہ مغربی تہذیب و معاشرت کو دیکھتے ہوئے ہر قدم پر بلاخوف و خطر اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے ایک جگہ لکھتا ہے:

"کیا خوب شہر لندن ہے۔ لوگ وہاں کے مسافروں پر ایسی عنایات کرتے ہیں کہ ماں باپ بیٹوں کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ فقیر نے سفر بہت سے شہروں کے کیے مگر صاحب مروت ایسے نہیں پائے۔ انگریز جو ہندوستان میں آتے ہیں مزاج میں بدل جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو ان سے کچھ نسبت نہیں۔"[۴]

دوسرے لفظوں میں وہ اس بات کا برملا اظہار کرتا ہے کہ انگریز اپنے ملک میں تو بہت اعلیٰ اخلاقیات پر عمل پیرا ہیں لیکن جن جگہوں پر وہ قابض ہیں وہاں ان کی حاکمانہ سوچ ان کی اخلاقیات پر غالب آجاتی ہے۔

یوسف خاں یورپی معاشرت کی خرابیاں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی روز افزوں ترقی کے اسباب کا بھی جائزہ لیتا ہے دانستہ و نادانستہ وہ انگلستان اور ہندوستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات کا موازنہ بھی کرتا رہتا ہے:

"جو قدرت اختراعی اور صنعت و کاریگری فقیر نے انگلستان میں دیکھی، یہاں عشر عشیر اس کی بھی نہ پائی۔ شمہ یہ کہ وہاں کلیں، آہنی توپ اور بندوق اور تلوار اور کاغذ اور کپڑے وغیرہ کی کھڑی کی ہیں کہ گھڑی بھر میں اس سے ایک رقم کی ہزاروں چیزیں بنتی ہیں یہاں کوئی اس کی خبر نہیں رکھتا بلکہ نام و نشان بھی نہیں جانتا ہے۔ رئیس ہندوستان کے خواب خرگوش میں پڑے رہتے ہیں۔ بٹیر یا مرغ یا کبوتر یا پتنگ بازی وغیرہ میں عمر برباد کر دیتے ہیں کوئی تحصیل علم و ہنر کا شوق نہیں رکھتا ہے۔"[۵]

یورپی تہذیب و معاشرت کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے یوسف خاں ہندوستان کی نصف آبادی یعنی خواتین کے کردار کو بھی ہدفِ تنقید بناتا ہے۔

..."عورتیں ان کی (یورپین) بھی تضیع اوقات نہیں کرتی ہیں علم و ہنر میں مشغول رہتی ہیں۔ بخلاف ہندوستان کے کہ مرد یہاں کے امور بے جا میں صرف اوقات کرتے ہیں اور اپنی عورتوں کو ایک مکان میں قید کر کے دنیا اور مافیہا سے غافل کر دیتے ہیں۔"[۶]

عجائبات فرنگ کی دلچسپی کی ایک بڑی وجہ اس کا اسلوب بھی ہے یوسف خاں کا اسلوب انیسویں صدی کی نثر کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ عجائباتِ فرنگ اگر اردو کا پہلا سفر نامہ نہ بھی ہوتا تو بھی اپنے اسلوب، بے ساختگی، بے ریائی، صداقت اور وارفتگی کے باعث اس کا شمار اپنے وقت کے منفرد اور ممتاز سفر ناموں میں ہوتا۔

نواب کریم خاں نے ۱۸۴۱ء میں ایک مقدمہ کے سلسلہ میں لندن کا سفر کیا اور ایک ڈائری نما سفر نامہ تحریر کیا جسے ''سیاحت نامہ'' کا نام دیا۔ اس سفر نامے کی اہمیت کے لیے یہی کافی ہے کہ انہوں نے اردو کو پہلی ڈائری دی، ایسا سفر نامہ لکھا جس سے انیسویں صدی کے یورپ کی تہذیب و معاشرت کی بہت سی پرتیں کھل کر ہمارے سامنے آتی ہیں ''سیاحت نامہ'' انگریزوں کی سائنسی و صنعتی ترقی، صفائی پسندی، انصاف پسندی، معاشرتی حقوق، عوام الناس کی فلاح و بہبود، حسن انتظام، دولت کی منصفانہ تقسیم غرض دیگر کئی خوبیوں کو ہمارے سامنے لاتا ہے۔ نواب کریم خاں کے اسلوب میں سنجیدگی غالب اور روانی مفقود ہے۔ طرزِ تحریر کی جھلکیاں:

> پھر غروب ہونے آفتاب کے جو اپنے مکان کو آیا تو برابر راستوں میں بازار کے اور ہر ایک گلی کوچوں میں شہر کے ہر دو جانب چراغانِ دخانی اور روشنی ان کی نہایت نورانی، اس کثرت سے روشن کہ نگاہ کام نہیں کرتی اور آنکھ نہیں ٹھہرتی۔ اسی لیے لنڈن کی رات کو دن پر فخر ہے۔''[۷]
>
> کپڑا بھی کانچ کا وہاں ایسا خوش قماش و پائیدار سادہ و رنگین بنتے ہیں کہ دیکھنے والے اس سے کیفیت آب رواں کی اٹھاتے ہیں۔''[۸]

''سیاحت نامہ'' کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انیسویں صدی کے یورپ میں نہ صرف جمہوری اقدار فروغ پا رہی تھیں بلکہ احتساب کا بھی موثر نظام موجود تھا۔ ذرائع آمد و رفت جو کہ ترقی کے لیے ناگزیر عنصر ہیں ان میں نت نئی چیزیں سامنے آ رہی تھیں۔ مثلاً پُلوں کی تعمیر، فٹ پاتھ، پکی سڑکیں، اسٹیم سے چلنے والی گاڑیاں، پانی کے اندر سرنگیں وغیرہ، عورتوں کو معاشرے میں یکساں اہمیت حاصل تھی۔

''سفیر اودھ''(۶۵۔۱۸۵۶ء) کا شمار اردو کے ابتدائی سفر ناموں میں ہوتا ہے۔ مسیح الدین کے والد دربار اودھ کی ایک اہم شخصیت تھے۔ واجد علی شاہ کے زمانے میں مسیح الدین علوی کا شمار بھی بادشاہ کے قریبی ساتھیوں میں ہوتا تھا۔ اس کتاب کا غالب حصہ مولوی صاحب کی سوانح عمری پر مشتمل ہے۔ کتاب کے کل

۱۴۴ صفحات ہیں جن میں سے ۳۴ صفحات سفر نامہ کے ذیل میں آتے ہیں۔ لندن کا ذکر صرف ۲۳ صفحات میں ہے۔ اس کتاب کے سرورق پر بھی اسے ''خود نوشت سوانح عمری'' ہی لکھا گیا ہے۔ اگر ان ۳۴ صفحات کو ہی سفر نامہ سمجھ لیا جائے تو یہ ایک نامکمل اور دوسرے درجے کا سفر نامہ کہلائے گا۔ مثلاً لندن سے بلدئہ سکندر تک کا سفر انہوں نے گیارہ روز میں طے کیا لیکن اسے درج ذیل چند سطور میں سمیٹ ڈالا وہ لکھتے ہیں:

> ''نومبر ۱۸۶۳ء میں راقم لندن سے روانہ ہوا۔ چار دن ریل کا خشکی میں سفر ہوا اور سات دن دریا میں۔ پارس اور مارسیلس کے راستے سے گیارہویں دن بلدئہ سکندرہ میں راقم پہنچا۔ تین چار صندوق، کچھ ضروری پوشاک اور چند کتابوں کو لے کر وہیں سکندریہ تک کرایہ کیا تھا۔''[۹]

''سفیر اودھ'' کو یورپی تہذیب و معاشرت کی عکاسی کے حوالے سے نمائندہ سفر نامہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ سفر نامہ اس دور کا سیاسی پس منظر ایک مخصوص تناظر میں پیش کرتا ہے اور یہی اس کی خوبی ہے۔

سرسید احمد خاں نے (۷۰۔۱۸۶۹ء) میں مختلف النوع مقاصد کے لیے لندن کو رخت سفر باندھا اور اردو ادب میں ''مسافران لندن'' جیسے اہم سفر نامے کا اضافہ کیا۔ یہ سفر نامہ ان کے علمی اور تحقیقی سفر کا معلومات سے بھرپور خزانہ ہے۔ سرسید کا بنیادی مقصد یورپ جاکر وہاں کے نظام تعلیم اور اصول تدریس سے براہ راست اور بذات خود واقفیت حاصل کرنا تھا تاکہ وہ اپنی قوم کے لیے اسی طرز کے ادارے اور نظام تعلیم کو فروغ دے سکیں۔ دوسری اہم وجہ مغربی تہذیب و معاشرت کا باریک بینی سے مشاہدہ کرنا تھا تاکہ اس کی اچھی اور مفید باتوں کو اپنے معاشرے میں رائج کرکے انگریزوں اور ہندوستانیوں کے درمیان فاصلوں کو کم کیا جاسکے۔

سرسید کا اسلوب نہایت سادہ اور واضح ہے:

> ''ہم جو ہندوستان میں انگریزوں کو ایک نہایت بداخلاقی کا ملزم ٹھہرا کر (اگرچہ اب بھی میں اس الزام سے ان کو بری نہیں کرتا) یہ کہتے تھے کہ انگریز ہندوستانیوں کو بالکل جانور سمجھتے ہیں اور نہایت حقیر جانتے ہیں، یہ ہماری غلطی تھی، وہ ہم کو سمجھتے ہی نہیں تھے بلکہ درحقیقت ہم ایسے ہی ہیں۔''[۱۰]

یورپ میں عام تعلیم اس حد تک کیونکر مروج ہوئی سرسید نے ان اسباب کا بھی بغور جائزہ لیا۔ سرسید کے نزدیک اس کی سب سے بڑی وجہ تمام علوم و فنون کا ان کی اپنی زبان میں سکھایا جانا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

"ہمالیہ کی چوٹی پر یہ الفاظ کھود دیئے جائیں کہ ہندوستان اسی وقت ترقی کر سکتا
ہے جب وہاں تعلیم اس کی اپنی زبان میں دی جائے۔"[۱۱]

"مسافرانِ لندن" سرسید کے ان علمی و تحقیقی نکات کا نچوڑ ہے جو انہوں نے یورپی تہذیب و معاشرت کے مشاہدے و تجربے سے اخذ کیے۔ یاد رہے سفر نامہ کا نام "مسافرانِ لندن" اگرچہ سرسید ہی نے تجویز کیا تھا مگر یہ سفر نامہ ان کی زندگی میں مکمل اور مرتب ہو کر شائع نہ ہو سکا۔ ۱۹۶۱ء میں مجلس ترقی ادب لاہور نے اسے پہلی بار شائع کیا اسے محمد اسماعیل پانی پتی نے مختلف ماخذات سے ترتیب دیا۔ اگرچہ انہوں نے سارے منتشر اجزاء یکجا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کے باوجود مسافرانِ لندن کو ایک مبسوط اور مربوط سفر نامہ کہنا مشکل ہے۔ لیکن اپنی مقصدیت اور افادیت کے اعتبار سے اور مغربی تہذیب و معاشرت کی عکاسی کے حوالے سے اس سفر نامے کو انفرادیت حاصل ہے۔

حامد علی خاں رام پور کے نواب اور انگریزوں کی پسندیدہ شخصیت تھے۔ وہ ۳مارچ ۱۸۸۳ء کو سیاحت کے لیے روانہ ہوئے اور دس ماہ کے بعد جاپان، ہوائی، امریکہ، انگلستان اور مصر وغیرہ کی سیاحت کر کے ۴ جنوری ۱۸۸۴ء کو رام پور واپس آ گئے۔ نواب صاحب کا سفر ان کے سیاحت کے شوق کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ اس دورے کی دعوت سر آکلینڈ کلون لیفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی کی طرف سے ملی تھی۔ چنانچہ سفر کے دوران انہیں وہ تمام مراعات اور سہولتیں حاصل تھیں جو ایک ہندوستانی والیٔ ریاست کو سرکار انگریز فراہم کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک آزاد سیاح کی مانند اپنے سفر سے لطف اندوز ہونے کی بجائے انگریزوں کی رہنمائی کے مطابق سفر سے محظوظ ہوتے رہے۔

سفر نامے کی زبان سادہ، رواں مگر ادبی چاشنی سے مبرّا ہے۔ انگریزوں کی بے جا قصیدہ گوئی کے باعث سفر نامہ ہلکے پن کا شکار نظر آتا ہے۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر "مسیرِ حامدی" کو یورپی تہذیب و معاشرت کی عکاسی کے حوالے سے نمائندہ سفر نامہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

"سفر نامۂ یورپ" (۱۸۸۵ء) ۸۷ صفحات پر مشتمل ایک مختصر سفر نامہ ہے۔ یہ سفر نامہ روزنامچہ کی تکنیک میں لکھا گیا ہے۔ یعنی تاریخ وار واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ مرزا نثار علی بیگ نے دو ماہ انیس دن کے سفر میں انگلستان، فرانس، اٹلی اور مصر کی سیاحت کی۔ مرزا نثار علی بیگ سر رشتۂ تعلیم ممالک مغربی و شمالی و اودھ میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ چونکہ انگریزوں سے ان کے دوستانہ مراسم تھے ہندوستان میں بھی وہ

فرنگی ملازمت میں تھے اس لیے وہ یورپی تہذیب و معاشرت کے نقاد اور مدبر کم اور مداح اور قصیدہ خواں زیادہ نظر آتے ہیں۔ مرزا نثار بیگ کا انداز بیان خوشامدانہ ہے چونکہ انہوں نے پوری تہذیب کو ایک مخصوص عینک سے دیکھا اس لیے حقائق تک رسائی مشکل نظر آتی ہے۔ اگرچہ مرزا صاحب کا اسلوب قدیم ہے مگر سفر نامے کی زبان گرانبار نہیں۔

نواب محمد عمر علی خاں ریاست باسودہ کے رئیس تھے انہوں نے اپنی زندگی کے تقریباً پچاس سال ممالکِ غیر کی سیر وسیاحت میں گزارے۔ نواب محمد عمر خاں کے ہاں سیاحت کا فطری ذوق موجود تھا۔ انہوں نے اپنے ہر سفر کے بعد سفر نامے کی صورت میں اپنے تجربات سپردِ قلم کیے۔ ان کا شمار اپنے عہد کے سب سے زیادہ اردو سفر نامے لکھنے والوں میں کیا جاتا ہے اور یہی ان کی وجۂ امتیاز بھی ہے۔ ''فرہنگ فرنگ مع آہنگِ فرنگ'' نواب محمد عمر خاں کا اٹلی، فرانس، جرمنی، روس، پولینڈ، آسٹریا، ہنگری، ترکی، لبنان و شام وغیرہ کا ۱۸۸۹ء میں لکھا گیا سفر نامہ ہے۔ اس سے پہلے ۱۸۸۸ء میں بھی انہوں نے یورپ کی سیاحت کی اور ایک سفر نامہ ''سفر نامہ آئینہ فرنگ'' کے نام سے بھی لکھا۔

نواب محمد عمر علی خاں نے سات سفر نامے تحریر کیے جن میں دنیا بھر کی معلومات درج ہیں۔ ان کے سفر ناموں کا اہم وصف اختصار نویسی ہے وہ بے جا تفصیلات کو سفر نامے کا حصہ نہیں بناتے۔ یورپی تہذیب و معاشرت کی عکاسی کے حوالے سے نواب محمد عمر علی خاں کے سفر نامے بہتر اور مستند ماخذ نہیں۔ یہ مختصر سفر نامے جغرافیائی حدود و قیود اور سطحی مشاہدے کے عکاس ہیں۔

مغربی تہذیب و معاشرت کی عکاسی کے حوالے سے منشی محبوب عالم کا ۱۹۰۰ء میں کیا گیا سفر بھی نہایت اہم ہے ''سفر نامہ یورپ بلاد روم۔ شام و مصر'' ایک صحافی کا سفر نامہ ہے جس کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں انہوں نے معلومات جمع کرنے پر خاص توجہ دی ہے۔ منشی محبوب عالم اپنے وقت کی نہایت اہم علمی و صحافتی شخصیت تھے اس دور کے تمام علماء و فضلاء سے ان کے ذاتی مراسم تھے جن میں علامہ اقبال بھی شامل ہیں۔ منشی محبوب عالم کا سفر نامہ، سفر نامہ کی تاریخ کا ایک ضخیم اور طویل سفر نامہ ہے جس کی افادیت و اہمیت مسلمہ ہے اس دور کی یورپی تہذیب و معاشرت کی جزئیات کا باریک بینی سے تجزیہ اس سفر نامہ کا خاصہ ہے۔ سفر نامے کا اسلوب سادہ اور رواں ہے۔ اخبار بینی کے متعلق کہتے ہیں:

"مزدور، گاڑی بان، چھبڑی والے، گلی کوچے جھاڑنے والے غرض سب لوگ اخبار پڑھتے ہیں اس لیے شائستگی کا لوگوں کی طبایع پر بہت اثر معلوم ہوتا ہے۔ تعلیم نے تعصبات اور جہالت کے عیوب کو دور کر دیا ہے لوگ ہر دم ترقی کرنے کے لیے محنت کرتے ہیں اور چونکہ علوم سے بہریاب ہوتے ہیں ہر روز نئی کلیں اور نئی چیزیں ایجاد کرتے ہیں۔ ایسی کلیں کے جنہیں کام کرتے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے یہ سب محنت کا اجر ہے بلا محنت اور کوشش کے کبھی عزت نہیں مل سکتی۔"[۱۲]

سیاحت کو وہ یورپی تہذیب و معاشرت کی اہم کڑی قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"ہمارے زمانے میں اہلِ یورپ و امریکہ قطع نظر حصولِ معاش اور تفریح کے تجربات بڑھانے اور مناظر قدرت کی سیر کے لیے اس کثرت سے سفر اختیار کرتے ہیں کہ ان لوگوں میں دور دراز اقطاع عالم کی سیاحت پختہ مغزی کا ایک معیار قرار پا گئی ہے۔"[۱۳]

منشی محبوب عالم نے ایک عاقل و بالغ نظر صحافی کی طرح مشرق و مغرب کا موازنہ کیا۔ مغربی طرز زندگی کی ہر اچھی بات کو سراہا اور جہاں کچھ غلط نظر آیا بلاخوف و خطر برملا اس کا اظہار کر دیا وہ نہ تو مغربی تہذیب سے مرعوب نظر آتے ہیں اور نہ ہی مشرقی طرزِ معاشرت انہیں احساسِ کمتری میں مبتلا کرتا ہے۔ انہیں ہر مجلس میں مشرقی آداب و اخلاق کا پاس رہا۔ ان کا سفر نامہ معلومات کا خزانہ ہے جس میں یورپ کی تہذیب و معاشرت کا ہر ڈھنگ، ہر طریقہ زیرِ بحث آتا ہے۔ منشی محبوب عالم نے مشرقی و مغربی تہذیب کے تجزیے، موازنے اور مقابلے میں جس اعتدال و توازن کو ملحوظِ خاطر رکھا وہی اس سفر نامے کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

نواب فتح علی خان قزلباش جن کا تعلق لاہور سے تھا انھوں نے "سیاحت فتح خانی" کے عنوان سے ۱۹۰۳ء میں اپنا سفر نامہ شائع کیا۔ جس میں انھوں نے سرزمین انگلستان کی منظر کشی کے ساتھ ساتھ شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی رسم تاج پوشی کا خاص طور پر ذکر کیا ہے انہوں نے لندن کو ایک شاہی مہمان کی حیثیت سے دیکھا۔ اپنے سفر میں انھوں نے آثارِ قدیمہ، فنِ تعمیر اور مختلف صنعتوں کے بارے میں معلومات حاصل

کیں۔لندن کی تہذیب و معاشرت کے حوالے سے نواب صاحب نے صرف ایسے واقعات کا ذکر کیا ہے جن میں انگریزی امراء اور ان کے خاندانوں کی شرکت نمایاں ہے۔

سفر نامہ نگار انگریزوں کی ہر بات کے مداح نظر آتے ہیں اور ایک غلام قوم کا فرد ہونے کی ذہنیت بھی جگہ جگہ اُجاگر ہوتی نظر آتی ہے۔ سفر نامہ کا اسلوب قدیم روایت کا آئینہ دار ہے۔

عطیہ فیضی ۱۹۰۶ء میں سرکاری وظیفہ پر تحصیل علم کے لیے لندن گئیں وہاں انھوں نے تقریباً ایک سال سے زائد عرصہ قیام کیا۔ اس دوران وہ لندن سے اپنی بہن کو جو خطوط لکھتی رہیں یہ سفر نامہ ان خطوط سے مرتب کیا گیا ہے۔ ڈائری کی تکنیک میں لکھا گیا یہ سفر نامہ لندن کے اونچے طبقہ کے رہن سہن اور تہذیب و معاشرت کا عکاس ہے۔ سفر نامے میں خواتین کے حوالے سے معلومات مثلاً کپڑے، کھانوں وغیرہ کا ذکر کثرت سے موجود ہے۔ عطیہ فیضی کی علامہ اقبال سے دوملاقاتوں کا ذکر بھی سرسری موجود ہے۔ تاہم سفر نامے میں تہذیب و معاشرت کی گہرائی اور موازنے میں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ یہ سفر نامہ اونچے طبقہ کی ایک خاتون کی معصوم حیرتوں، مشاہدات اور تجربات کی عکاسی ہے جس نے اپنی تمام تر مشرقیت کے ساتھ لندن کو اونچے طبقے کی تہذیبی آنکھ سے دیکھا۔

شیخ عبدالقادر نے ''سیاحت نامۂ یورپ''(۱۹۰۶ء) میں بلادِ مغرب کے حالات سمیٹے ہیں وہ اردو کے مستند ادیب اور ''مخزن'' جیسے اعلیٰ پایے کے ادبی مجلہ کے مدیر تھے۔ ان کے سفر نامے میں سیاحانہ مزاج کی جھلکیاں جابجا دیکھی جاسکتی ہیں۔ خلوص اور سچائی ان کی تحریر کا خاص وصف ہے۔ انھوں نے دیارِ غیر میں جو کچھ دیکھا، اپنے تجرباتِ سفر میں اہلِ وطن کو اس طرح شامل کیا کہ قاری ان کی تحریر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ تاہم تہذیب و معاشرت سفر نامے کا بنیادی موضوع نہیں ہے۔ ضمناً اس کی جھلکیاں جابجا دیکھی جا سکتی ہیں۔ شیخ عبدالقادر فطری شوقِ سیاحت سے متصف تھے اس لیے ان کے سفر نامے میں منظر نگاری اور جزئیات نگاری کے اعلیٰ نمونے موجود ہیں۔ اندازِ بیان دلکش اور اسلوبِ نگارش دل چسپ ہے۔

''سیر یورپ''(۱۹۰۸ء) نازلی رفیعہ سلطان بیگم کا تحریر کردہ سفر نامہ ہے۔ یہ سفر نامہ ایک تعلیم یافتہ ہندوستانی خاتون کا سفر نامہ ہے۔ سفر نامے میں کپڑوں، جوتوں، کھانوں اور سامان آرائش کے بے تحاشا ذکر سے نسوانی مزاج کی جھلکیاں تو جابجا دیکھی جاسکتی ہیں لیکن ساتھ ساتھ وہ اپنی قوم کی پس ماندگی اور تہذیبی تنزل کو پیش نظر رکھتے ہوئے مغرب کی صنعتی ترقی اور تمدنی ترقی کا ذکر بھی تفصیل سے کرتی ہیں۔ تاہم نسوانی

دل چسپیاں اور شاہانہ طرز زندگی سفر نامہ نگار کو اپنے سحر سے آزاد ہی نہیں ہونے دیتے کہ وہ مغربی تہذیب و معاشرت کا بغور مطالعہ کر سکیں۔

ڈائری کی شکل میں قلم کیا گیا یہ سفر نامہ ''سیاحتِ سلطانی'' حالات و واقعات کی سطحی عکاسی کرتا ہے۔ مناظر اور ماحول کے بیان پر مصنفہ کی گرفت نہیں روزمرہ واقعات کی غیر ضروری تفصیل نے سفر نامہ کو بوجھل اور غیر دل چسپ بنا دیا ہے۔

مغربی تہذیب و تمدن کی عکاسی کے حوالے سے قاضی عبدالغفار کا سفر نامہ ''نقش فرنگ'' اپنے دور کے دیگر سفر ناموں کے مقابلے میں ایک انتہائی اہم سفر نامہ ہے قاضی صاحب نے اپنے صحافیانہ اور سیاسی پس منظر کے ساتھ مغربی تہذیب کا گہرا مشاہدہ کیا وہ قارئین کو اپنے پس ماندہ حالات پر غور کرنے اور انہیں تبدیل کرنے پر آمادہ کرنے میں کوشاں نظر آتے ہیں۔ ۱۹۲۱ء میں برطانوی حکومت نے تحریکِ خلافت اور دیگر متنازعہ معاملات کے بارے میں مشورے کے لیے ہندوستان سے تحریکِ خلافت کے رہنمائوں کا ایک وفد طلب کیا۔ قاضی عبدالغفار اس وفد کا حصہ تھے۔ وہ ہندوستان سے نکلنے والے دو روزناموں کے مدیر ہونے کے ناطے قومی معاملات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کا شمار ایسے ہمدردانِ قوم میں ہوتا تھا جو ہر روز بدلتے تند و تیز سیاسی حالات و واقعات میں اپنی قوم کے غم میں برابر کے شریک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بجائے دیگر معاملات کے اس سفر نامے میں سیاسی حالات و واقعات کی عکاسی غالب نظر آتی ہے۔ اپنے احساسات و جذبات کی عکاسی کے لیے قاضی صاحب نے جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ سفر نامہ کی قدیم روایت سے انحراف اختیار کرتا ہے یہ رنگ یہ اسلوب اردو سفر نامے کے لیے نیا تھا۔ داخل و خارج کے اس امتزاج نے اردو سفر نامے کو نئی جہت سے آشنا کیا۔ اس کی ایک جھلک اس اقتباس میں دیکھی جا سکتی ہے:

> ''اس سرزمین حریت پر میں نے ہر قدم پر اپنی غلامی کے نشان دیکھے۔ سڑکوں پر، ہوٹلوں میں، باغوں میں، ریل میں، جہاز پر... وزارت ہند کے شاندار دفتر میں۔ وزیر اعظم کے ایوان حکومت میں، ہر جگہ محکوم قوم کی ذلت و رسوائی اس کا پیچھا کرتی ہے... برطانوی زندگی ایک آئینہ ہے جس میں کالا رنگ کچھ اور زیادہ کالا نظر آتا ہے۔''[۱۴]

جدید سفر نامے میں احساسات اور مشاہدات کی جو عکاسی ہمیں نظر آتی ہے اس کی ابتدائی جھلک قاضی عبدالغفار کے اس سفر نامے میں بجا طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ اردو سفر ناموں کے سفر میں سفر نامہ نگار

نے پہلی دفعہ گرد و پیش کے مناظر و مظاہر اور تاریخ و تمدن کے جھروکوں کی سیر کے ساتھ ساتھ اپنے جذبات واحساسات اور تاثرات و مشاہدات کی سیر کرائی اور یوں ''نقشِ فرنگ'' نے قدیم روایت کو ایک نئے اسلوب سے آشنا کیا جس کی بدولت آگے چل کر سفر نامہ کی صنف اس تنوع اور رنگا رنگی سے بہرہ ور ہوئی جس نے اسے دیگر اصنافِ ادب میں ممیز و ممتاز کر دیا۔

مرزا حسین احمد بیگ سرکار دکن میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز تھے۔ ۱۹۳۰ء میں انھوں نے بحالیٔ صحت کی خاطر دیارِ مغرب کا سفر اختیار کیا۔ اپنے اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ ہر منظر اور واقعہ کے مثبت پہلو سے مستفید ہوئے۔ ان کا سفر نامہ لندن ''پردیس کی باتیں'' ان کی خوش دلی اور وسیع نقطہ نظر کا عکاس ہے۔ وہ معمولی جزئیات کو بھی اتنی تفصیل سے بیان کرتے ہیں کہ قاری خود کو منظر کا حصہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ تہذیبی تعصبات اور نظریاتی اختلافات کو یکسر فراموش کر کے وہ فطرت کے حسین مناظر سے خود بھی حظ اٹھاتے ہیں اور قاری کو بھی قدرت کی صناعی کا مداح بنا دیتے ہیں۔

''سیاحت نامہ''(۱۹۳۳ء) نواب محمد ظہیر الدین کی یورپ و امریکہ کے سفر کی یادداشتوں پر مبنی ہے چونکہ دوران سفر انہوں نے ہر شے کو ایک نواب کی نظر سے دیکھا اس لیے سفر نامے میں زندگی کی تلخ حقیقتوں کی بجائے خوبصورتی اور آرائش و جمال زیادہ نظر آتا ہے انداز بیان سادہ اور حقیقت پر مبنی ہے قدرتی مناظر اور تاریخی آثار کو دلچسپ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے پارک، تھیٹر، بازار اور نمائش گاہیں جہاں جہاں وہ جاتے ہیں ہر منظر کو خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ مغربی تہذیب و تمدن کو سادہ مگر دل چسپ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

''یورپ جنگ سے پہلے''(۱۹۳۸ء) ہارون خان شیروانی کا یہ سفر نامہ اس وقت کے یورپ کی عکاسی کے حوالے سے ایک علمی و ادبی شخصیت کی اہم تحریر ہے۔ یہ سفر نامہ مختصر مگر جامع اور وقیع ہے یورپ جو اس وقت جنگ عظیم کے دہانے پر کھڑا تھا یہ اس دور کے یورپ کی علمی اور تہذیبی دنیا کا سفر نامہ ہے۔ تہذیب و ثقافت اس سفر نامے کا بنیادی موضوع نہیں، سفر نامہ نگار نے اپنا زیادہ وقت نوادرات کی زیارت اور علمی و ادبی شخصیات سے تبادلہ خیالات میں صرف کیا۔

خواجہ احمد عباس کا سفر نامہ ''مسافر کی ڈائری'' کو اس حوالے سے خصوصی اہمیت حاصل ہے کہ اس کا شمار جدید سفر نامے کے اولین آثار میں کیا جاتا ہے۔ خواجہ احمد عباس نے ۱۹۳۸ء میں تقریباً پانچ ماہ میں سترہ

ممالک کی سیر کی یہ اس سفر کا تسلسل تھا جو انہوں نے ورلڈ یوتھ کانفرنس نیویارک میں شرکت کے لیے اختیار کیا تھا سفر نامے میں معاشرتی تضادات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے لیکن وقت کی کمی کے باعث خواجہ صاحب بہت تفصیل میں نہیں جا سکے تاہم تجزیے و تبصرے میں حقیقت پسندی کا عنصر غالب ہے۔اس سفر نامے کو ایک اہم دستاویزی حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہ اس وقت لکھا گیا ہے جب ہندوستان میں آزادی کی جدوجہد اپنے عروج پر تھی مصنف کے حالات وواقعات کے بیان میں جابجا اس کا ردعمل نظر آتا ہے۔

آغا محمد اشرف کے دو سفر نامے ''لندن سے آداب عرض'' اور ''دیس سے باہر'' منظرِ عام پر آئے۔ قیامِ پاکستان سے قبل لکھے گئے سفر ناموں میں آغا محمد اشرف کے سفر نامے اس لحاظ سے نمایاں مقام رکھتے ہیں کہ انھیں روایت سے انحراف کی مثالیں قرار دیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں سیاحت کا جوہر صاف نظر آتا ہے۔ ۱۹۳۹ء میں آغا محمد اشرف بحیثیت استاد لندن یونیورسٹی میں تعینات ہوئے اور چار سال تک وہیں قیام کیا۔اس دوران انہیں لندن اور وہاں کے لوگوں کو قریب سے جاننے سمجھنے کا موقعہ ملا۔

آغا محمد اشرف اپنے غلام قوم کا نمائندہ ہونے کے اثر کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیتے اور اہلِ لندن کو محبت اور لگاؤ کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کی کتاب ''دیس سے باہر'' مغربی اقوام کے مزاج اور تہذیبی زندگی کی مکمل عکاسی کرتی ہے۔ ''دیس سے باہر'' آغا محمد اشرف کے لندن، افریقہ، ایران اور سری لنکا کے سفر کی داستان ہے۔ ان کی ہر ملک کی تہذیب و معاشرت پر گہری نظر ہے لیکن مغربی تہذیب جہاں انہوں نے ایک طویل عرصہ گزارا اس کا بیان تخلیقی شان کا حامل ہے۔ زبان سادہ اور بامحاورہ ہے، روزمرہ کا استعمال بڑی خوبی سے کیا گیا ہے۔ جذبات کی آمیزش نے سفر نامے کے اسلوب کو لطیف اور دل چسپ بنا دیا ہے۔ جدید سفر نامے کی بنیادیں جن ستونوں پر استوار ہیں آغا محمد اشرف کے ذکر کے بغیر یہ داستان ادھوری ہے انہوں نے سفر نامے کی صنف کو نئی جہتوں سے روشناس کرایا۔

قدیم سفر ناموں میں سیاح غیر جانبدار رہتا تھا وہ ایک رہبر اور مصلح کے فرائض بھی انجام دیتا تھا روایتی سفر نامہ میں سفر نامہ نگار کا مقصد اپنے بعد میں آنے والے مسافروں کے لیے معلومات فراہم کرنا ہوتا، سفر سے پہلے ہی اس کے مقاصد طے کر لیے جاتے لیکن قیامِ پاکستان (۱۹۴۷ء) تک آتے آتے اردو سفر نامہ نگار کے اسلوب میں تخلیقیت کا عنصر شامل ہوتا چلا گیا اب سفر نامہ خارج سے داخل کی طرف پرواز کرنے کو پَر تول رہا تھا، سفر نامہ نگار غیر جانبدار نہیں رہا بلکہ اب اس کے احساسات و مشاہدات اور مناظر و واقعات کی

عکاسی میں بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت کی کار فرمائی بھی نظر آنا شروع ہو گئی تھی۔ گویا قیامِ پاکستان سے قبل اردو سفر نامے میں مغربی تہذیب و ثقافت کی عکاسی جدید انداز و اطوار اور اسالیب کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔

حوالہ جات

۱۔ وزیر آغا،ڈاکٹر،"کلچر کے خدوخال"(لاہور: مجلس ترقی ادب،۲۰۰۹ء)ص۱۵

۲۔ شکیب، محمد بدر الدین خان، تالیف،"یورپ کے تاثرات"(دیباچہ)،(حیدرآباد دکن:اعظم اسٹیم پریس، ۱۹۳۲ء)ص(ف)

۳۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر بحوالہ ڈاکٹر مظفر عباس، مرتب، "عجائبات فرنگ" (لاہور: مکتبۂ عالیہ، ۱۹۸۲ء)ص۲۵،۲۶

۴۔ مظفر عباس،ڈاکٹر،مرتب،"عجائبات فرنگ"(لاہور:مکتبہ عالیہ،اشاعت دوم،۱۹۸۷ء)ص۴۷

۵۔ ایضاً،ص۲۳۷

۶۔ ایضاً،ص۲۳۷،۲۳۸

۷۔ کریم خاں، نواب، "سیاحت نامہ" مرتب، عبادت بریلوی، ڈاکٹر، (لاہور:اظہار سنز،۱۹۸۲ء)ص۱۱۵

۸۔ ایضاً،ص۱۹۸

۹۔ مسیح الدین علوی، محمد،"سفیرِ اودھ"،بحوالہ انور سدید، ڈاکٹر، "اردو ادب میں سفرنامہ"، (لاہور:مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،۱۹۸۷ء)ص۱۲۳

۱۰۔ سید احمد خان، سر، "مسافران لندن" مرتب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۰ء)ص۱۸۳

۱۱۔ ایضاً،ص۱۹۷

۱۲۔ محبوب عالم، منشی، "سفرنامہ یورپ، بلاد روم۔ شام و مصر" (لاہور:نگارشات،۱۹۹۷ء) ص۱۱۹،۱۲۰

۱۳۔ ایضاً،ص۱۴

۱۴۔ عبدالغفار، قاضی، "نقش فرنگ"، (لاہور:دارالاشاعت پنجاب(مرکنٹائل پریس)۱۹۲۴ء) ص۳۷،۳۸